کرنے کا رواج ہے ۔ ان کے نزدیک 105 یہی بہترین طریقہ ہے۔

عبارت مختصر اب کس کس کا ذکر کیا جائے اور کن کن اصولوں کو برسرِ موضوع لایا جائے ہندوؤں میں تو ۳۳ کروڑ دیوی دیوتا ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ہر دیوتا کی پوجا پاٹھ کے طریقے بھی جدا جدا ہوں گے ۔ واضح ہو کہ ویدک دھرم کے اصول وضوابط عام دسترس سے دور تھے ۔ علوم کی زبان سنسکرت تھی جس پر صرف برہمنوں کی اجارہ داری تھی ۔ رفتہ رفتہ برہمن دوسرے ورنوں (ذاتوں) پر حاوی ہوتے گئے ۔ وہ وعظ و پند چھوڑ کر توہین وتذلیل پر اتر آئے اور اپنے کو بہر پورا اشرف وافضل سمجھنے لگے ۔ ''بھکشا'' جو صرف بسر اوقات کے لائق لی جاتی تھی ۔ اسے یہ لوگ اپنا استحقاق سمجھ کر جبریہ طور پر وصول کرنے لگے اور برہمن کا سوال رد کرنا ایک نا قابل تلافی جرم بن گیا ۔ یگیوں میں گڑ بڑیاں پیدا ہونے لگیں ۔ مذہبی اعتقادات اور رسومات کا دائرہ تنگ ہونے لگا اور بھی کئی برائیاں در آئیں ۔ مذہب جو عوام وخواص دونوں کی بہبودی وبھلائی کے لئے ہوتا ہے وہ صرف خواص تک ہی محدود ہو گیا ۔ کورانہ معتقدات اور برہمن واد نے ہندو مذہب کی جڑیں کھوکھلی کر دیں ۔ انہیں گونا گوں وجوہ سے یہ نتائج برآمد ہوئے کہ جین مذہب اور بودھ دھرم کا آغاز وارتقاعمل میں آیا اور جلد ہی یہ مذہبی فرقے عوام میں مقبول ہو گئے اور ہندو دھرم رو بہ انحطاط ہونے لگا۔

☆☆☆

ہندی کہانی میں دلت مسائل

صادق اقبال
ریسرچ اسکالر، دہلی یونیورسٹی

ملخص

ہندی کہانی کار اپنے یہاں دلت مسائل کو ہمیشہ سے اُجاگر کرتے ہوئے آ رہے ہیں۔ پریم چند سے لے کر یہ سلسلہ اب تک مسلسل جاری و ساری ہے۔ یہاں پر کچھ ایسی کہانیوں کا ذکر کرنا مقصود ہے جو اسّی کی دہائی کے بعد لکھی گئی ہیں۔ دلت یا شودر جیسے الفاظ کی تلاش کریں تو ہمیں اس کی تاریخ کو پڑھنا ضروری ہے کہ یہ لفظ کیوں کر معاشرے میں رائج ہوا اور اس لفظ کو کون سی قوم یا کس طبقہ کے لیے استعمال میں لایا گیا۔ ہمارا موضوع کہانیوں پر ہے اس لیے تاریخ کی تفصیل میں نہ جا کر مختصر اس لفظ پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں جس سے ہمیں معلوم ہو کہ دلت مسائل ہمارے معاشرے کو کتنا متاثر کرتا آ رہا ہے۔ اس مسئلے پر اردو ہندی زبانوں کے ادیبوں نے قلم اُٹھایا ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں شودر لفظ کا پہلی بار رگ وید میں استعمال ہوا ہے۔ رگ وید میں زمین پر بسنے والے انسانوں کو چار طبقوں میں بانٹا گیا ہے۔ ان کے مطابق ''منھ سے برہمن، بازو سے چھتری، پیٹ سے ویشیہ اور پیر سے شودر کو پیدا کیا گیا ہے۔ شودر قوم کو اس بات کا احساس ہمیشہ دلایا گیا کہ تم پیر سے پیدا ہوئے ہو اس لیے دنیا میں تمہارا کام دوسروں کی خدمت کرنا خاص کر برہمن کی۔ معاشرے میں شودر قوم کی حیثیت نہ کے برابر رہی ہے۔ یہ قوم شہر میں نہیں رہ سکتی بلکہ انہیں شہر سے باہر جنگلوں میں اپنی زندگی گزارنی پڑی۔ شہر میں صرف اس لیے انہیں آنے کی اجازت تھی کہ اپنے سے اعلیٰ قوم کی خدمت کریں۔ جیسے جیسے زمانے میں تبدیلی آئی تو انہیں شودر کی جگہ اور بھی ناموں سے پکارا جانے لگا جس میں اہم لقب دلت ہے۔ دلت کو ہندو قوم میں شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ دلت ایک الگ ہی قوم بن کر معاشرے میں زندگی گزارنے لگی۔ دلت کے استحصال پر بہت سے ادیبوں نے لکھا ہے۔ جن میں سرفہرست نام اردو ہندی کے ادیب پریم چند کا ہے۔ یہاں پر ہندی میں دلت مسائل پر چند کہانیوں پر تجزیہ کرنا میرا مقصد ہے۔

☆☆☆☆☆

دلت مسائل پر تو بہت سے افسانہ نگاروں نے کہانی لکھیں ہیں لیکن میں یہاں پر چند ایسے نام کو شامل کر رہا ہوں جن کا تعلق اسّی کے بعد لکھنے والوں کی فہرست میں ہے۔انہیں میں ایک اہم نام اوم پر کاش وال میکی کا ہے۔انہوں نے دلت کے موضوعات پر کئی کہانیاں لکھی ہیں ان ہی میں ایک اہم کہانی ''سلام'' ہے۔''سلام'' کہانی کا اہم کردار ''ہریش'' ہے۔اس کہانی کو پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ کہانی کار نے دلت مسائل کو دکھایا ہے۔اور دوسری طرف معاشرے میں قدیم زمانے کی روایت کو بھی ختم کرنے کی ہمت جتائی ہے۔کہانی تین کردار وں کے ارد گرد گھومتی نظر آتی ہے۔''ہریش'' چوہرا(بھنگی) ذات سے تعلق رکھتا ہے لیکن یہ پڑھا لکھا ہے۔اس کہانی میں پہلا واقعہ تب پیش آتا ہے جب ہریش اپنے دوست کمل کے گھر کھانے پر ہوتا ہے۔کھانے کے دوران کمل کی ماں ہریش سے اس کے والد کے بارے میں پوچھتی ہے تب وہ یہ جان کر آگ بگولہ ہو جاتی ہے کہ اس کا باپ تو بھنگی ہے اور وہ اسی وقت اپنے بیٹے کمل کو ڈانٹ پھٹکار لگانے لگتی ہے۔کمل کی ماں اسے مارتے ہوئے کچھ اس انداز میں بولتی ہے کہ ''پتا نہیں کہاں کہاں سے ان کنجڑوں کو پکڑ کر گھر لیے آتا ہے۔خبر دار جو آگے سے کسی حرامی کو دوبارا یہاں لایا'' اس حادثہ کے بعد دوسرا واقعہ تب پیش آتا ہے جب ہریش کی بارات جاتی ہے۔ اس کی شادی مظفر نگر کے ایک گاؤں میں طئے پاتی ہے۔جب یہ برات لیکر وہاں جاتا ہے تو اس کے ساتھ اُس کا دوست کمل اُپادھیائے بھی ساتھ رہتا ہے بلکہ شادی کا پورا انتظام کمل کے ہی ذمہ رہتا ہے۔بارات میں جب کمل کو چائے کی طلب لگتی ہے تو گاؤں کی ایک چائے دکان پر جاتا ہے۔کمل اپادھیائے چمار تو نہیں لیکن چائے کی دکان پر جس طرح کی گفتگو ہوتی ہے اس سے یہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے مہذب معاشرے میں انسان کی قدر نہیں بلکہ جات پات دیکھ کر اس کی عزت کی جاتی ہے۔کہانی کا اقتباس ملاخط ہو:

> ''چائے والے نے وہیں سے جواب دیا۔'' تجھے یہاں چائے نہ ملنے کی۔''
> چائے والے کی آواز میں روکھا پن تھا، جسے محسوس کرتے ہوئے کمل نے تیکھے پن سے پوچھا۔''لیکن تھوڑی دیر پہلے آپ نے کہا تھا، چائے ملے گی۔''
> ''کہا تھا۔۔۔اور اب کہہ رہا ہوں نہیں ملے گی۔۔۔۔۔'' چائے والے نے سختی

سے کہا۔ کمل چائے والے کے 108 روپے سے غصہ ہو گیا۔ پھر نرم لہجے میں بولا۔ ''لیکن بھائی صاحب ہوا کیا ہے۔۔۔؟ کیا میں پیسے نہیں دوں گا۔''

۔۔۔۔۔ یوں پیسے شہر میں جا کے دکھاڑاں۔ دو پیسے ہو گئے جیب میں تو ساری دنیا سر پہ ٹھائے گھومو۔۔۔ یہ سہر نہیں گاؤں ہے۔ یہاں چوہڑے چماروں کو میری دکان میں تو چائے نہ ملتی۔۔۔ کہیں اور جا کے پیو۔''

اس کہانی میں والمکی نے ''سلام'' کی روایت کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ گاؤں میں پشت در پشت سلام کی روایت چلی آ رہی ہوتی ہے۔ سلام اس روایت کو کہتے ہیں کہ جب بھی کسی چھوٹی ذات کے گھر میں شادی ہو تو وہ اپنے گاؤں کے برہمن کے دروازے پر ایک چکر لگاتا ہے اور اس کے بدلے میں اسے برہمن کے گھروں سے تحائف وغیرہ ملتے ہیں۔ جب ہریش کو بھی سلام کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ صاف انکار کر دیتا ہے۔ وہ ایک پڑھا لکھا انسان ہے اور وہ اس رسم و رواج کو نہیں مانتا ہے۔ ہریش سلام کے تعلق سے کچھ اس طرح اپنا رویہ دیکھاتا ہے۔ کہانی کا اقتباس ملاحظ ہو:

''ہریش نے تیکھے لفظوں میں کہا۔'' آپ چاہے جو سمجھیں۔۔۔ میں اس رواج کو خود اعتمادی توڑنے کی سازش مانتا ہوں۔ یہ 'سلام' کی رسم بند ہونی چاہیے۔''۔۔۔۔ دوپہر ہوتے ہوتے بات پورے گاؤں میں پھیل گئی۔ جمن کے جمائی نے سلام پر جانے سے منع کر دیا۔''

اوم پرکاش وال میکی نے ''سلام'' کہانی کے ذریعہ معاشرے کی ان تمام فرسودہ روایت پر ضرب لگائی ہے۔ جس کی ہمارے سماج میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ سماج میں ایسی بہت سی رسم و رواج رائج ہیں جسے زبردستی لوگوں پر عائد کیا جاتا رہا ہے۔ خاص کر اعلی طبقہ کے اشرافیہ خاندان نے اپنے سے کم تر طبقہ پر زمانے سے مسلط کر رکھا ہے۔

اوم پرکاش وال میکی کے بعد اگر کسی کہانی کار پر نظر پڑتی ہے تو اس میں ایک نمایا نام جیے پرکاش دَم کا لیا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی کہانیوں میں دلت مسائل کو اُجاگر ہی نہیں کیا بلکہ ایسے کئی کرداروں کو تخلیق کیا جو اپنے اُپر ہونے والے ظلم کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک کردار ''رام

ویر سنگھ‘‘ ہے۔ یہ کردار جیے پرکاش کی کہانی ’’تلاش‘‘ کا ہیرو ہے۔رام ویر سنگھ کو اپنی نوکری کی وجہ سے گھر سے دور دوسرے شہر میں مقیم رہنا پڑتا ہے جس محلے میں اسے مکان ملتا ہے وہاں زیادہ تر بڑی ذات کے لوگ رہتے ہیں۔اسے بڑی مشکل سے گپتا جی کا مکان کرائے پر مل جاتا ہے۔ کہانی میں کلائمکس تب اور بڑھ جاتا ہے۔جب اس کے گھر میں ایک چوہڑی (بھنگی) کھانہ بنانے کے لیے آنے لگتی ہے۔یہ بات گپتا جی کو پتا چلتی ہے تو وہ رام ویر سنگھ سے شکایت کرتا ہے اور اسے زمانے کی دُہائی دیتا ہے کہ نیچ ذات کے لوگوں کو ہمارے گھر میں آنا منع ہے۔کہانی کا اقتباس ملاحظ ہو:

> ’’انسان تو سب ہیں صاحب! پر انسان، انسان میں بھید ہوتا ہے۔سب انسان برابر نہیں ہوتے۔ ہزاروں سال سے سماج میں یہ بھید بنا ہوا ہے۔سماج کے بیچ سماج کے مطابق چلنا پڑتا ہے صاحب! سماج جن باتوں کو مانتا ہے، ہم کو بھی وہ باتیں ماننی پڑے گی۔اگر محلے میں یہ بات پتہ چل گئی کہ ہمارے گھر کے اندر چوہڑی کھانا بناتی ہے تو مصیبت ہوجائے گی صاحب۔۔۔۔۔۔‘‘
>
> ’’ٹھیک ہے کھانا آپ بناتے ہیں صاحب! پر مکان تو میرا ہے۔ایک چوہڑی کے داخل ہونے سے رسوئی ناپاک ہوتا ہے میرا تو۔‘‘

کہانی کے اس اقتباس سے ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ کہانی کار نے گپتا اور ویر سنگھ کے مکالمے کے ذریعہ یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہے کہ دنیا میں ہر انسان کو برابری کا حق ہے۔کوئی اپنے کام سے نیچی اور اونچی ذات کا نہیں بن سکتا ہے۔مکان مالک سے بحث کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ویر سنگھ کو مکان خالی کرنا ہوگا یا پھر وہ اس بھنگی سے کھانا نہ بنوائے۔ویر سنگھ اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹتا بلکہ وہ نئے مکان کی تلاش میں نکل جاتا ہے۔کہانی کار اس موضوع سے انسانیت کی تبلیغ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اسّی کڑی کے ایک اہم کہانی کار سوشیلا ٹاک بھورے ہیں جنھوں نے دلت کے مسائل کو لے کر بہترین کہانیاں لکھی ہیں۔’’سنگھرش‘‘ کہانی میں جس موضوع کو پیش کیا گیا ہے اس میں ایک ایسا کردار ہے جو معاشرے میں چھوا چھوت نظام سے لڑتا ہے۔کہانی کا اہم کردار شنکر ہے جسے اس بات کا علم نہیں ہوتا ہے کہ لوگ اس سے نفرت بھی کرتے ہیں لیکن جب عمر کے چودہ سال میں پہنچنے کے بعد حقیقتوں سے واسطہ پڑنے پر پتہ چلتا ہے کہ اسکول سے لے کر گاؤں کے افراد اسے نیچ سمجھتے ہیں۔شنکر کم

عمری سے ہی شرارتی قسم کا تھا اکثر وہ محلے میں بدمعاشی کے لیے مشہور تھا جیسے کسی کا کبوتر پکڑ لینا تو کسی دوسرے کے جامن چوری کرنا، آم کے باغات میں جا کر چوری کرنا وغیرہ۔ ان حرکتوں کی وجہ سے گھر پر آئے دن شکایتیں ہوا کرتی تھیں۔ جب یہ بڑا ہوتا ہے تو اسی معاشرے کے لیے باغی بن جاتا ہے۔ اسے کبھی یہ تسلیم نہیں کہ اسکی نانی دوسرے کے گھروں میں کام کرے اور اس کے بدلے میں بچا ہوا کھانا لے کر گھر آئے۔ اسکول میں بھی جب کوئی اسے بُرا بھلا کہتا تو وہ ان بچوں سے لڑ جھگر لیتا تھا۔ جب یہ کسی کے گھر جاتا تو اسے نکال دیا جاتا یہ سب دیکھ کر شنکر کو بڑا تعجب ہوتا تھا لیکن وہ شرارتی تھا ہی اسے یہ سب دیکھنے میں بڑا مزا آتا ہے جب وہ کسی کے گھر جاتا ہے تو اس گھر کو لوگ پانی سے دھوتے ہیں کہ پاک ہو جائے۔ جیسے جیسے شنکر بڑا ہوتا گیا اسے سماج کی ان بُرائیوں کا صحیح صحیح اندزہ ہوتا گیا اور وہ اس کے خلاف اپنی آواز کو بلند کرنے لگا۔ اسے اپنے آس پاس کے ان لوگوں سے بہت ہی نفرت ہونے لگی جو چھوا چھوت کو مانتے تھے۔ شنکر اپنی نانی کو ہمیشہ منع کرتا کہ کیوں دوسرے کے گھروں میں کام کرنے جاتی ہو۔ شنکر نانی سے بولتا کہ تم اچھے کپڑے پہن کر گھر میں ہی رہو۔ شنکر اپنی نانی کو ہی گھر سے نکالنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اسے یہ بالکل پسند نہیں کہ نانی دوسرے کے گھر کا بچا کھانا اپنے گھر لائے۔ کہانی کا اقتباس دیکھیں:

’’نانی نے ناتی کے سامنے اپنی غلطی مانتے ہوئے پیار سے کہا۔’’ہاں بیٹا، اب میں ایسو نہیں کروں گی۔ تو غصہ مت ہو۔۔۔ میں کپڑا لتا اچھے سے پہنا کروں گی۔۔۔۔ ایسی بری حالت میں نہیں دکھوں گئی۔‘‘۔ پھر وہ سکون سے سمجھاتے ہوئے شنکر کو بولی۔’’ بیٹا میں نے شروع سے یہی کام کیو ہے۔ سبھی جانے ہیں، میں کون ہوں۔ اب میں یہ کام چھوڑ بھی دوں تو کیا میری ذات بدل جائے گی؟ جو ذات ہے وہ تو وہی رہے گی۔ کام کرو چاہے نہ کرو، کہلائیں گے ہم بھنگی ہی۔‘‘

نانی اور نواسے کے اس مکالمے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کہانی کار معاشرے میں پھیلے ہوئے چھو چھات مرض کے خلاف اپنی آواز بلند کرنا چاہتا ہے۔ شنکر تعلیم مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے خاندان کو اس چھوت چھات سے بھی آزادی دلواتا ہے۔ شنکر اپنی محنت و لگن سے کامیاب ہوتا ہے اور اسے وزیر تعلم سے اعزاز بھی ملتا ہے۔ شنکر کی زندگی اس راہ پر آ چکی تھی کہ معاشرے میں اس سے کوئی بھی دور نہیں بھاگتا ہے بلکہ ہر ذات کے لوگوں کے ساتھ راہ رسم تھی۔ افسانہ نگار نے شنکر کردار کو ایک شنگھرش کا استعارہ بنا کر

معاشرے کی خلا کو ختم کرنے میں کامیاب نظر 111 آتے ہیں۔

موہن داس نیمیش رائے کا شمار ہندی ادب کے اہم کہانی کاروں میں لیا جاتا ہے۔ انہوں نے دلت کے مسائل پر کہانیاں لکھی ہیں۔''اپنا گاؤں'' ایک ایسے گاؤں کی کہانی ہے جسے پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ چھوٹی ذات جسے یہی مہذب معاشرے نے بنایا ہے اور وہ اس قبیلہ کے لوگوں سے کس قدر نفرت کرتے ہیں۔ کہانی میں ایک گاؤں لہنا ہے۔ اس گاؤں میں چمار ذات کے خاندان رہتے ہیں لیکن دراصل ٹھاکر کی بستی ہے۔ یہاں کے ٹھاکران دلت لوگوں سے اپنے کھیت و گھر کا کام لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ دلتوں کے اوپر ظلم بھی ڈھاتے ہیں۔ اس کہانی میں گاؤں کے اندر بنیادی سہولیات کے نہ ہونے کے مسائل کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے گاؤں کے غریب و دلت لوگ شہر کا رُخ کرتے ہیں لیکن شہر میں بھی انہیں بہت سی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گاؤں سے ہجرت کر کے جو لوگ شہر میں روزگار کی تلاش میں آتے ہیں انہیں یہاں بھی فٹ پاتھ کی زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ کہانی ''اپنا گاؤں'' میں بیک وقت کئی طرح کے مسائل کو دکھایا گیا ہے۔ ایک طرف گاؤں کے لوگ شہر جاتے ہیں تو دوسری طرف جو افراد گاؤں میں رہتے ہیں ان کے ساتھ گاؤں کے ٹھاکر ظلم کرتے ہیں خاص کر دلت عورتوں کے ساتھ اور بھی زیادتی ہوتی ہے۔ کہانی کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''سارے گاؤں کی آنکھوں میں خوف اور دہشت کے ملے جلے اثرات دکھائی دینے لگے تھے۔ جس گاؤں نے آج تک کبوتری کا منھ تک نہ دیکھا تھا۔ کلائی میں پڑی چوڑیوں کی کھنک سنی تھی۔ اسی گاؤں کو اسے مادرزاد ننگا دیکھنا پڑا تھا۔ ٹھاکروں نے چماروں کی بستی میں آکر زور زور سے بولا، ڈیڑھ چمار ہم سے ہی سینہ زوری ہمیں ہی سینا دکھاتے ہو۔''

اس حادثے کے بعد معاملہ یہیں پر نہیں رکتا ہے بلکہ دوسرے ہی دن کبوتری کو ٹھاکر سے دھمکی ملتی ہے۔ جب کبوتری جنگل سے لکڑی کاٹ کر واپس ہو رہی تھی تو ٹھاکر کا بیٹا سلطان کبوتری کو پاس بلا کر کہتا ہے کہ 'سن کبوتری تو سیدھے سے کل ہمارے کھیت میں کام کرنے آجانا ورنہ ہم چماروں سے زبردستی بھی کام کروانا جانتے ہیں' اس کے علاوہ ٹھاکر کا بیٹا کبوتری سے بولتا ہے کہ تیرا آدمی تو ہم سے قرض بھی لیتا ہے۔ جس کے بدلے تو بیاج چکا ہی سکتی ہے۔ اس واقعہ کی خبر جب کبوتری کے شوہر کو لگتی ہے تو وہ

غصہ میں آگ بگولہ ہو جاتا ہے اور پولیس میں 112 رپورٹ کرانے کی بات کہتا ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان ٹھاکروں کی پہنچ منتری تک ہے۔ کبوتری کا شوہر سنپت کو بابا صاحب ڈاکٹر امبیڈکر کی باتیں بھی پتا ہے۔ کہانی کا متن دیکھیں:

> ''بھیا ہم سب کب تک کمزور رہیں گے؟ کب تک ہم غلاموں کی طرح رہیں گے۔ تمہیں معلوم نہیں بابا صاحب ڈاکٹر امبیڈکر نے کیا کہا تھا۔ تم نے ان کا نام نہیں سنا ہے۔ ایک دو بار چودہ اپریل پر پروگرام بھی ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا تھا'' غلاموں کو غلامی کا احساس کرادو تو وہ غلامی کی زنجیر توڑ دیں گے۔''

کبوتری کا شوہر یہی سب سوچتے اور بولتے ہوئے پولیس کے پاس جاتا ہے کہ رپورٹ درج کرا سکے لیکن پولیس والے اُلٹا اسے ہی ڈانٹ کر بھگا دیتے ہیں۔ جب پولیس میں چماروں کی شکایت نہیں لکھی جاتی ہے تو سارے چمار مل کر گاؤں خالی کر کے قالندی ندی کے تٹ پر اپنا مسکن بنا لیتے ہیں۔ اس کہانی میں دلتوں پر ہونے والے استحصال کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ ایک طرف اُنچی ذات کے لوگ ظلم کرتے ہیں تو دوسری طرف سسٹم بھی ان کی باتیں نہیں سنتا۔

☆☆☆